۱۵ ستمبر ۱۹۷۲ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۲۹۵

اسسٹنٹ ایڈیٹر
آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

قیمت سالانہ پانچ روپیے
قیمت فی کاپی ۱۰ پیسے

ہفتہ وار
ہماری زبان

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۲۵

آل احمد سرور

اردو کو بعض ریاستوں میں سرکاری زبان کا درجہ دینا کیوں ضروری ہے؟

ہندوستان ایک جمہوریت ہے۔ جمہوریت کے معنی اکثریت کی حکومت کے نہیں اگرچہ اکثریت کی اہمیت مسلّم ہے۔ اس میں اقلیت کا اطمینان اور اس کے جائز مطالبات کو تسلیم کرنا تاکہ وہ خوش دلی کے ساتھ ملک کی تعمیر کے کام میں مصروف ہو سکے، ضروری ہے۔ ہندوستان ایک سیکولر جمہوریت ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے فیصلوں اور عام کاروبار میں مذہب کی بنیاد پر کسی فرد یا گروہ کے ساتھ تفریق نہیں ہوگی، نہ اکثریت کو اس لحاظ سے کوئی خاص سہولت ہوگی نہ اقلیت کو اس بنا پر کوئی نقصان پہنچے گا۔ ہندوستانی قومیت کسی علاقے، کسی زبان، کسی طبقے کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتی۔ ہر علاقے، ہر زبان، ہر طبقے کو ترقی کرنے کا حق حاصل ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ جو علاقہ یا زبان یا طبقہ کسی وجہ سے زندگی کی دوڑ میں حصہ نہیں لے سکا ہے تو اسے اس قابل بنائے کہ وہ دوسروں کے دوش بدوش چل سکے۔ ہندوستان کے دستور میں جو آزادی مساوات اور اخوت کا صحیفہ ہے، ہندوستان کے ہر مذہبی یا لسانی یا علاقائی جز کے لئے بقا اور ترقی کی ضمانت موجود ہے۔ پھر بھی جمہوریت کے ۲۵ سال گزر جانے پر لسانی اقلیتوں کی شکایات بدستور ہیں، انھیں اب بھی تشنگی اور محرومی کا احساس ہے۔ ان لسانی اقلیتوں میں سے اردو کی لسانی اقلیت بلاشبہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اگرچہ کسی ریاست میں اس کی اکثریت نہیں مگر پورے ملک میں ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق دو کروڑ چھیاسی لاکھ افراد کی یہ مادری زبان ہے۔ چونکہ ہمارے ملک میں اب تک اعداد و شمار کی صحت سے معاملے میں اتنی توجہ نہیں کی جاتی جتنی ہونی چاہیے اس لئے یہ قیاس غلط نہیں کہ یہ تعداد تین کروڑ سے زیادہ ہی ہوگی۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ کئی ریاستوں میں اردو بولنے والوں کی تعداد تیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اترپردیش میں ۹۲ لاکھ، بہار میں ۵۰ لاکھ، آندھرا میں ۳۳ لاکھ، مہاراشٹر میں ۳۲ لاکھ، میسور میں ۳۰ لاکھ۔ ہندوستان کی بعض ریاستوں مثلاً جموں و کشمیر کی پوری آبادی کی تعداد اترپردیش کی اردو بولنے والی اقلیت کی تعداد سے کم ہے۔ ہندوستانی جمہوریت کے پرستاروں کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ اتنی بڑی لسانی اقلیت کی بے اطمینانی اور بددلی، بیزاری اور برہمی ملک کے لیے

کتنی نقصان دہ ہے اور اس کا اطمینان اور سکون ملک کے لیے کتنا ضروری۔

در اصل ہندوستان ایک قدیم ملک ہے اور جدید قوم۔ یہ واقعہ ہے کہ ابھی قومی احساس اور قومی شعور عام طور پر زندگی کا سے نہیں بنا ہے۔ صرف سطحی ہے۔ لوگ اب بھی ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی یا پنجابی، بہاری، مہاراشٹرین، بنگالی کے نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں۔ جن کے پاس دولت ہے وہ ہر حال میں اس پر قبضہ رکھنا چاہتا ہے جو کنگال ہے اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی ہے مگر ابھی خاصی ابتر ہے۔ سیاسی پارٹیاں انتخاب کے موقع پر ووٹ لینے کے وہ تمام حربے استعمال کرتی ہیں جن کی وہ پلیٹ فارم سے مذمت کرتی ہیں۔ ذات پات علاقائی پاسداری، زبان، مذہب، برادری کے نام پر ووٹ مانگے جاتے ہیں اور ملتے ہیں۔ بیشتر سیاسی پارٹیوں کا منشور کچھ کہتا ہے اور عمل کچھ۔ سیاست کا نام اب اقتدار کی جدوجہد ہو گیا ہے۔ اقتدار ملتا ہے تو ملک کی ترقی کے بجائے کچھ لوگوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنا مفاد ایک پارٹی میں رہ کر اگر نہیں دیکھتے تو دوسری میں جھٹ شامل ہو جاتے ہیں۔ اخلاقی قدروں کے زوال نے قول اور عمل میں ایک خلیج پیدا کر دی ہے سیاسی پارٹیاں عوام سے انتخاب کے موقع پر ہر طرح کے وعدے کر لیتی ہیں۔ اگر اقتدار مل جائے تو ان کو پورا کرنے کے لئے دل خوش کن اعلانات بھی کرتی ہیں مگر دفتری نظام ان اعلانات کی وہ مٹی پلید کرتا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ پھر بھی کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ واقعی ہم لوگ بڑے صبر والے ہیں۔ صدیوں کے ظلم و جبر نے ہم سے اپنے جائز حقوق کے لئے لڑنے اور قومی اور جمہوری اور آئینی طریقوں سے لڑنے کا ہنر چھین لیا ہے۔ ہم جھوٹے وعدوں، کھوکھلی تسلیوں، مبہم یقین دہانیوں سے جلد مطمئن ہو جاتے ہیں۔ تاریخ کا سبق یہ ہے کہ جو فرد یا گروہ اپنے جائز حقوق کے لئے نہیں لڑ سکتا وہ بالآخر زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ اردو دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے تمام جمہوری اور آئینی ذرائع سے اپنی لڑائی جاری رکھیں۔ جیسے جیسے جمہوریت کا تصور دلوں میں گھر کرتا جائے گا، جیسے جیسے سیکولرازم پر یقین بڑھتا جائے گا جیسے جیسے مشترک تہذیب اور اس کا سارا سرمایہ ہندوستان اور اس کی پوری تاریخ، قومیت اور اس کے سارے مضمرات عزیز ہوتے جائیں گے اردو کی ترقی کی راہیں بھی کھلتی جائیں گی اور اس شاندار اور جاندار، حسین اور شیریں، مالدار اور طرحدار زبان کو اس کے گھر میں اس کا جائز اور مناسب مقام ملے گا۔

اردو ایک جدید ہندوستانی زبان ہے اس کی ساخت میں پنجابی اور برج کا بھی حصہ رہا ہے ہندوستان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کی تاریخ میں جنوبی ایشیا، وسطی ایشیا اور مغربی ایشیا تینوں کا دخل رہا ہے۔ اردو ان تینوں اثرات کی حامل ہے یہ ان چند ہندوستانی زبانوں میں سے ہے جن میں ایشیائی عناصر دوسروں سے زیادہ ہیں۔ یہ اس کی ایک ایسی دولت ہے جو اسے مقامی اور محدود ہونے سے بچاتی ہے اور اس کی آفاقیت اور ہمہ گیری کو نمایاں کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو بولنے والوں کی بہت بڑی تعداد آج ہندوستانی مسلمانوں پر مشتمل ہے لیکن یہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کی آبادی کا ایک قابل فخر حصہ ہیں اور ان کی ہندوستانیت پر جو شک کرے مجھے اس کی ہندوستانیت مشکوک نظر آئے گی۔ ہندوستانی تاریخ کے ایک موڑ پر فارسی ملک کی سرکاری زبان بنی لیکن ریاستوں میں مقامی زبانوں کا رواج رہا۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں فارسی کی جگہ اردو نے لی۔ آزادی تک کئی دیسی ریاستوں میں اردو سرکاری زبان رہی۔ کئی ریاستوں کی تہذیب پر اردو کا گہرا اثر ہے اترپردیش میں اردو بولنے والوں کی تعداد دس بارہ فی صدی ہوگی اور مسلمانوں کی تعداد پندرہ فی صدی سے زیادہ نہیں، مگر اترپردیش کی تہذیب پر اردو کی گہری چھاپ ہے جس سے کوئی انکار کرے تو وہ تاریخ اور سماجی حقائق سے انکار کرے گا۔ اسی طرح دہلی کی چالیس لاکھ کی آبادی میں اردو بولنے والے پانچ چھ لاکھ ہوں گے، مگر دہلی ہندوستان کا دل ہی نہیں اردو کی جنم بھومی بھی ہے اور آج بھی دہلی کی زبان پر اردو اور اس کی تہذیب کے غیر فانی نقش مل جائیں گے۔ اگر کوئی امرتسر سے کلکتے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ڈاکٹر نورالسعید اختر

قریشی بیدری کے عہد کی تحقیق

قطب الدین قادری المتخلص بہ فیروز سلطنت بیدر کا مشہور شاعر اور دبستان گولکنڈہ کے اساتذہ میں سے تھا۔ ملا اسداللہ وجہی مصنف قطب مشتری، "سب رس"، "تاج الحقائق" اور ابن نشاطی مصنف پھولبن نے فیروز کو اپنا ادبی رہبر تسلیم کیا ہے۔ اس عظیم شاعر اور اس کی واحد دستیاب شدہ تخلیق "پرت نامہ"[1] کی تحقیق و تدوین کے دوران پروفیسر مسعود حسین خاں، صدر شعبۂ لسانیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے دبستان بیدر کے مزید دو شعراء کا تعارف پیش کیا ہے۔ یہ شعراء قریشی بیدری مترجم کوک شاستر بعنوان "بھوگ بل" اور نظامی بیدری مصنف "پدم اور کدم" ہیں۔ ان دنوں راقم الحروف قریشی کی بھوگ بل پر ایک طویل اور بسیط مضمون قلم بند کر رہا ہے۔[2] اس تلاش اور جستجو کے دوران راقم کو پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب کے مندرجہ ذیل بیان نے چونکا دیا۔ ایسا لگتا ہے پروفیسر موصوف سے یہ لغزش کسی تسامح کے باعث ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"دبستان بیدر کا ایک اور مصنف قریشی بیدری ہے جس نے محمود شاہ بہمنی کے عہد (۱۴۸۲ء تا ۱۵۲۰ء) میں دکھنی کا پہلا منظوم ترجمہ "بھوگ بل" کے نام سے پیش کیا۔ خود شاعر بہمنی ہے۔ قریشی، فیروز کا ہمعصر ہوگا گو اس سے عمر میں یقیناً بڑا ہوگا۔ دبستان بیدر کی زبان کے جس قدر تفصیلی نمونے اس کتاب میں ملتے ہیں اور کہیں دستیاب نہیں ...... قریشی غالباً پہلا مصنف ہے جس نے اردو کے قدیم کو اس کے مقامی نام "دکھنی" کے نام سے یاد کیا۔

سوا اس شاہ کے دور بیدر مقام
یو شاعر کیا نظم دکھنی تمام"

پروفیسر موصوف نے قریشی کو محمود شاہ بہمنی (۱۴۸۲ء تا ۱۵۲۰ء) کے عہد کا شاعر بتایا ہے علاوہ ازیں موصوف "بھوگ بل" کو دور محمد شاہی (بہمنی) کا اولین دکھنی ترجمہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی اور قریشی بیدری کو قطب الدین فیروز (عہد تالیف ۱۵۶۴ء) کا ہمعصر سمجھا۔ پروفیسر موصوف کی نظر میں "بھوگ بل" کے دو مخطوطے تھے ایک وہ جو سالار جنگ کے کتب خانے کی زینت ہے اور دوسرا وہ جو امپیریل لائبریری کلکتہ کی ملکیت ہے۔ مسعود صاحب نے مندرجہ بالا بیان کی تائید میں جو شعر بطور حوالہ پیش کیا ہے اس شعر سے قبل "بھوگ بل" میں وہ اشعار ہیں جن سے سارے ماجرے کی عقدہ کشائی اور بہت سے حقائق پر روشنی پڑتی ہے اور خود قریشی کے قول کے بموجب اس کے عہد کا تعین ہو جاتا ہے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں:-

برید شاہ محمود کے دور میں — کیتے ہندوی کوک کوں فارسی
بھی اس عہد دور ثانی امیر — کہ جن شاہ عہد کی ہے [illegible]
سوا اس شاہ کے دور بیدر مقام — یو شاعر کیا نظم دکھنی تمام

ان اشعار کے پیش نظر مندرجہ ذیل حقائق کی نشاندہی ہوتی ہے:-

۱:- کسی شاعر نے برید شاہ محمود (۱۴۸۲ء تا ۱۵۲۰ء) کے عہد میں ہندوی کوک (رتی رہس: از کوکا پنڈت) کو سنسکرت سے فارسی میں منتقل کیا۔

۲:- امیر برید ثانی کے عہد سلطنت (۱۶۰۱ء تا [illegible]) قریشی نے "ہندی کوک" کا دکھنی میں ترجمہ کیا۔ (یعنی برید شاہ محمود کے کم و بیش اسّی سال بعد یہ ترجمہ ہوا)

۳:- یہ ترجمہ قریشی نے بیدر میں مکمل کیا۔

۴:- قریشی پہلا مصنف ہے جس نے اردو کے قدیم کو اس کے مقامی نام "دکھنی" کے نام سے یاد کیا۔

۱؎ پرت نامہ از فیروز بیدری مرتبہ ڈاکٹر مسعود حسین (قدیم اردو جلد اوّل)۔

۲؎ مضمون زیر قلم۔ از ڈاکٹر نورالسعید اختر مرتبہ "تاج الحقائق" از ملا وجہی۔

۳؎ پدم اور کدم از نظامی بیدری (حال ہی میں پروفیسر ڈیوڈ میتھیوز کراچی سے ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے ہیں۔ ان کی زبانی علم ہوا ہے کہ جمیل جالبی صاحب نے اس مثنوی کو انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے مرتب کر لیا ہے اور بہت جلد یہ کتاب

(بقیہ نوٹ کالم سے آگے) منظر عام پر آنے والی ہے۔)

۴؎ مقدمہ پرت نامہ از مسعود حسین ص ۸۳۳

۵؎ بھوگ بل مترجمہ قریشی بیدری، مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم۔ نمبر ۳۰۲۔

ان حقائق کی رو سے پروفیسر مسعود حسین صاحب کی تحقیق اور اخذ کردہ نتائج بڑے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا "بھوگ بل" نہ تو شاہ محمود بریدی کے عہد کا ترجمہ ہے نہ ہی اسے شاہ محمود برید کے وقت کا پہلا دکھنی ترجمہ ہونے کا امتیاز حاصل ہے بلکہ اسے قریشی نے امیر برید ثانی (۱۵۴۹ء تا ۱۵۶۲ء) کے زمانے میں دکھنی نظم کے ہار میں گوندھا۔ اس لحاظ سے "بھوگ بل" امیر برید ثانی کے زمانے کا قدیم اردو کے جنسیاتی ادب کے تعلق سے پہلا منظوم ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ شہر بیدر کی سرزمین پر پایۂ تکمیل کو پہنچا اور بہر صورت قریشی، فیروز سے عمر میں چھوٹا ہوگا۔

مرحوم نصیر الدین ہاشمی صاحب نے فہرستِ مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ میں اس مخطوطے پر جو چند سطور کا نوٹ لکھا ہے، اس میں انھوں نے "بھوگ بل" کو امیر برید اوّل (۱۵۰۴ء تا ۱۵۴۲ء) کے عہد سے منسوب کیا ہے۔ مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں ہاشمی صاحب کا تعین کردہ عہد بھی صحیح ثابت نہیں ہوتا۔

تاریخی نقطۂ نظر سے امیر برید ثانی کے عہدِ سلطنت اور اس کے وجود کے سلسلے میں مورخین متفق نہیں ہیں بلکہ چند مورخین کا خیال ہے کہ اس نام کا کوئی حاکم ہی شاہانِ بیدر میں نہیں گزرا۔ پروفیسر عبد المجید صدیقی[1] نے اپنی تصنیف "مقدمہ تاریخ دکن" میں شاہانِ بیدر کا جو شجرہ دیا ہے اس میں انھوں نے ابو القاسم برید کا تتبع کیا ہے اور مندرجہ بالا حقائق بحوالہ صدیقی صاحب کا یہ نتیجہ بڑی حد تک صحیح ہے۔ تاریخی اعتبار سے قریشی کے مندرجہ بالا اشعار سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ سلاطینِ بیدر میں امیر برید ثانی کے نام کا حاکم بھی گزرا ہے۔

---

[1] مقدمہ تاریخ دکن: از عبد المجید صدیقی (شجرہ کے مطابق امیر برید اوّل دوسرا اور امیر برید ثانی ساتواں بادشاہ ہے۔ صدیقی صاحب نے علی امیر برید ثانی کو ایک کمزور بادشاہ بتایا ہے جس سے عادل شاہیوں نے بہت سا علاقہ چھین لیا تھا اور آخر میں اس کی سلطنت بھی ختم کر لی تھی۔)

(صفحہ ۷ سے آگے)

گہرا تعلق عوام مسلمانوں کو ہے، اتنا غیر مسلم عوام کو نہیں ہے، اس میں شبہ نہیں کہ آزادی سے قبل اردو کے ادیبوں اور شاعروں میں ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد تھی اور اب بھی کافی تعداد موجود ہے، مگر اب ان میں سے شاید ہی کوئی ہو جس کی اولاد اردو سے واقف ہو اور ہم حالات سے مجبور ہو کر یہ کہنے لگے ہیں کہ اردو کے ختم ہونے سے جتنا نقصان مسلمانوں کو ہوگا غیر مسلموں کو نہیں ہوگا۔ جامعہ کے ٹیچرز کالج میں داخلے کے لیے جو مختلف حلقے بنائے گئے ہیں ان میں ایک حلقہ اردو میڈیم کا بھی ہے، اس حلقے کے امیدوار کبھی سو فیصدی اور کبھی ۹۹ فیصدی مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ اس تجربے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر اردو یونیورسٹی قائم ہو گئی تو اس کے طلبہ کی تعداد اسّی نوّے فیصدی مسلمان ہوگی، اسی طرح اساتذہ میں بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ حالات کا اندازہ کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ اردو یونیورسٹی کا مطالبہ کرنے والے مسلمان یا مسلمانوں کی جماعتیں ہیں۔ اس لئے میرے خیال میں یہ بات طے شدہ ہے، چاہے کوئی اقرار کرے یا نہ کرے کہ مسلمانوں کو اردو سے خاص تعلق ہے اور اردو یونیورسٹی سے بھی انھیں خصوصی تعلق حاصل رہے گا۔

اردو یونیورسٹی کی اس بحث میں محترم عباسی صاحب نے ایک بالکل ہی انمل بے جوڑ بات کہہ دی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

"... دھیرے دھیرے پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر عابد حسین اور اعظمی وغیرہ جیسے نیشنلسٹ لوگوں کا اس (جامعہ) پر قبضہ ہو گیا۔" کچھ عرصے سے عباسی صاحب کے خیالات میں جو تبدیلی آئی ہے، اس کی وجہ سے غالباً انھوں نے یہ بات لکھی ہے ورنہ ان کا شمار نیشنلسٹ مسلمانوں میں ہوتا ہے اس لئے وہ اس سے بخوبی واقف ہوں گے کہ جامعہ ملیہ کن حالات میں اور کن مقاصد کے لئے قائم ہوئی تھی۔ اگر عباسی صاحب جامعہ کے صحیح حالات سے بخوبی واقف ہوں گے تو وہ اس کا اعتراف کریں گے کہ جامعہ کے اربابِ حل و عقد کی نظروں سے اس کا مقصد کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ ان بزرگوں کے ساتھ میرا ذکر کر کے عباسی صاحب نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ میں ان بزرگوں کا ہم عصر اور ہم رتبہ نہیں ان کا ادنیٰ شاگرد ہوں۔ نیز عباسی صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ذاکر صاحب، عابد صاحب اور مجیب صاحب ۱۹۲۶ء میں جرمنی سے آ کر جامعہ کی ذمہ داریاں نہ سنبھالتے تو جامعہ بند ہو گئی ہوتی۔ یہ لوگ جامعہ پر قابض نہیں ہو گئے بلکہ اپنے خونِ دل سے اس کی آبیاری کی۔

آغشتہ اند ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیٔ صحرا نوشتہ اند

جو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے ان بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ بعد میں یہی لوگ ان کی بے لوث خدمات کا اعتراف کریں گے۔

دہلی۔ — عبد اللطیف اعظمی

مکتوب ماریشس

دی نیشنل اردو انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ہر سال کی طرح امسال بھی اردو ویک بہت دھوم دھام سے منایا گیا تھا۔ ہفتے بھر کی تقریبات ۲۳ر جولائی سے ۲۸ر جولائی تک منائی گئیں۔

۲۳ر جولائی کی دوپہر کو ۳ بجے اردو ویک کا افتتاح ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں جناب عبد اللہ احمد کے ہاتھوں ہوا۔ انسٹی ٹیوٹ کے جنرل سکریٹری جناب عنایت حسین عیدن نے اردو ویک کے مقاصد بتاتے ہوئے کہا کہ اردو انسٹی ٹیوٹ کی اہم روایتوں میں سے ایک اہم روایت اردو ویک ہوگی۔ ہفتے کے دوران جو مقابلے ہوں گے ان سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ ماریشس میں اردو ایک زندہ زبان کی شکل اختیار کر رہی ہے اور اردو ویک کا اہم ترین مقصد یہی ہے کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اردو زبان ایک زندہ زبان ہے۔ عبد اللہ احمد صاحب نے اپنی تقریر میں اردو انسٹی ٹیوٹ کے اغراض و مقاصد کے بارے میں کہا اور سامعین کو یقین دلایا کہ اردو انسٹی ٹیوٹ کے ممبران اردو کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ انھوں نے اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ روز بروز اردو انسٹی ٹیوٹ سے زیادہ سے زیادہ طلبہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

عبد اللہ احمد صاحب کی تقریر کے بعد بیت بازی کا مقابلہ ہوا۔ اس مقابلے چھ ٹیموں نے حصہ لیا۔ یہ چھ ٹیمیں جزیرے کے کونے کونے سے آئی ہوئی تھیں۔ امسال بیت بازی کا معیار پچھلے برسوں کے مقابلے میں بہتر تھا۔ حصہ لینے والوں نے نہ صرف ان شعراء کے کلام سنائے جو جامعہ اردو کے امتحانات کے نصاب میں پائے جاتے ہیں بلکہ بہت سے جدید شعراء کے اشعار بھی سنائے گئے۔ پڑھنے کا انداز اور تلفظ بھی پہلے سے بہتر تھا۔ جس ٹیم کی جیت ہوئی تھی وہ ہے بزم اقبال۔ دیگر ٹیموں کے نام یہ ہیں: بزم غالب، بزم انجم، بزم شکیل، بزم حالی، اور بزم احباب۔

۲۴ر جولائی کو اکسٹمپور ڈبیٹ کا پروگرام تھا جس میں بزم مجاز کی جیت ہوئی تھی۔

اسی روز کوئز کا مقابلہ تھا۔ اس مقابلے میں صرف اردو ادب اور اردو زبان سے متعلق سوالات تھے اس طرح کا مقابلہ ماریشس میں پہلی مرتبہ ہوا اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اکثر سوالوں کے جواب دئے گئے تھے۔ اس مقابلے میں چار ٹیموں نے حصہ لیا تھا۔ بزم غالب کی جیت ہوئی۔ پبلک اسپیکنگ کنٹسٹ کا نتیجہ یہ رہا:۔ اول: جناب صابر گودڑ، دوم: جناب نصیب عبد الرحمٰن اور تیسرے: جناب ریاض گوکل۔

۲۵ر جولائی کا دن غزل خوانی کے لئے تھا: جب ۳ بجے مقابلے کا آغاز ہوا تو ہال بھرا ہوا تھا کل ۱۲ امیدوار تھے جن میں لڑکیاں بھی تھیں۔ اردو کے مشہور شعراء کی غزلیں با ترنم پیش کی گئیں۔ یہ پروگرام بہت ہی دلچسپ رہا تھا۔ اور اس میں حصہ لینے کے لئے بھی لوگ جزیرے کے کونے کونے سے آئے ہوئے تھے۔

مقابلے کے بعد ان حضرات نے بھی غزلیں سنائیں جن کو گزشتہ برسوں میں غزل خوانی کے سلسلے میں انعامات مل چکے تھے۔ غزل الخوانی کا مقابلہ ماریشس میں بہت شہرت حاصل کرتا جا رہا ہے اور غزل کو سارے جزیرے میں اتنا مقبول کرنے میں اردو انسٹی ٹیوٹ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس مقابلے میں جناب اکبر ادریس علی محمد کو پہلا انعام ملا۔ انھوں نے شہریار کی ایک غزل کو پیش کیا تھا۔

دوسرا انعام جناب صابر گودڑ کو ملا اور جناب مسلم بخشو اور جناب امجد شہید اللہ کو خصوصی انعامات دئے گئے۔ لڑکیوں کے لئے الگ انعامات تھے۔ اور انعام پانے والی لڑکیوں کے نام اس طرح ہیں: پہلا انعام مس فیروزہ جیاجی۔ دوسرا انعام مس آسی باقی نور محمد اور خصوصی انعام حلیمہ امیر۔

۲۶ر جولائی کو مضمون نگاری کا مقابلہ تھا۔ اس میں ۲۲ امیدواروں نے حصہ لیا۔ دو گروہ تھے ایک ان لوگوں کا جو اردو پڑھاتے ہیں اور دوسرا ان لوگوں کا جو اردو پڑھتے ہیں نتیجہ یوں رہا: اساتذہ: پہلا انعام: حفیظ غلام علی اور دوسرا انعام ارشاد برکت۔ طلبہ: پہلا انعام: مس فوضیہ دیلو اور دوسرا انعام: مس گوری لونا۔

۲۸ر جولائی کو جلسہ تقسیم انعامات تھا جلسہ دوپہر کو ڈیڑھ بجے شروع ہوا اس میں پاکستان میں ماریشس کے سفیر جناب امین کرنلی مہمان خصوصی تھے۔ ان کے علاوہ جناب عبد اللہ احمد، جناب احمد کمتر اور جناب اسحاق جونس اور

دوسرے حضرات بھی شریک تھے۔

انسٹی ٹیوٹ کے جنرل سکریٹری جناب عنایت حسین عیدن نے اپنی استقبالیہ تقریر میں کہا کہ ۱۹۷۳ء کا اردو ویک کامیاب رہا۔ ہفتے بھر کے پروگرام کی جھلکیاں دکھاتے ہوئے انھوں نے ظاہر کیا کہ اگلے سال بھی اردو ویک اسی شان سے منایا جائے گا۔ انھوں نے مزید یہ کہا کہ اردو انسٹی ٹیوٹ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے اور جہاں تک ہوسکتا ہے یہ ادارہ اردو کی ترقی کے لئے کام کر رہا ہے۔ اردو کے کلاس برابر جاری ہیں اور لائبریری میں کتابوں کا ذخیرہ بڑھ گیا ہے۔ پڑھنے والوں کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے۔

جناب عبداللہ احمد نے اپنی تقریر میں اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگ اس ہال HALL میں اردو ویک کے لئے جمع ہوگئے ہیں۔ انھوں نے یقین دلایا کہ اردو انسٹی ٹیوٹ کی انتظامیہ کمیٹی اس ادارے کی برابر مدد کرے گی۔ انھوں نے اپیل کی کہ اردو کی طرف زیادہ توجہ دلائی جائے۔ اردو بولی جائے۔

جناب امین کزتلی نے اپنی فاضلانہ اور نہایت دلچسپ تقریر میں مسلمانوں کی زندگی میں اردو زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ آج اگر ماریشس میں مسلمانوں کی تہذیب باقی ہے تو اس لئے کہ مسلمانوں کی ایک زبان ہے اور وہ زبان ہے اردو۔ انھوں کہا حالانکہ میں اسلام آباد میں مقیم ہوں لیکن پھر بھی اردو انسٹی ٹیوٹ کے کاموں کے بارے میں پتہ چلایا کرتا تھا۔ انھوں نے انسٹی ٹیوٹ کے ممبران کو داد دی کہ ان لوگوں نے اتنے اچھے کام کو سر انجام دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جناب عنایت حسین عیدن صاحب کی بھی ہمت افزائی کی، اور امید ظاہر کی کہ وہ اسی طرح اردو کی خدمت میں لگے رہیں گے۔

جناب امین کزتلی صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ عوام کو بھی اردو زبان سے دلچسپی دلائی جائے اور اس سلسلے میں غزل اور قوالی کی محفلیں بڑا کام کرسکتی ہیں۔ انھوں نے کہا ترنم سے غزل سنانا بہت اچھا ہے مگر جب غزل کو موسیقی کے ساتھ سنایا جائے گا تو عوام میں زیادہ اثر ہوسکتا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ٹیلیویژن پر جو غزل کا پروگرام ہوتا ہے وہ دلچسپ ہوتا ہے اور اسی طرح سے اور پروگرام بھی ہونے چاہئیں۔ آخر میں انھوں نے یقین دلایا کہ وہ پاکستان جاکر اردو انسٹی ٹیوٹ کی امداد کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

جناب امین کزتلی کی تقریر کے بعد مختلف مقابلوں میں انعام پانے والوں کو انعامات دئے گئے۔ اردو ویک کا اختتام ایک مشاعرے سے ہوا جس میں ان حضرات نے حصہ لیا۔ سید رحمت اللہ، گل حمید تمکین، صابر گوڈر، ادریس علی محو، ہاشم مسافر، ناگاسن دیراپن، ابو عبد المجید اور حسن جی غلام علی۔

• عنایت حسین عیدن

اسلام اور عصر جدید

"اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی" کا سہ ماہی مجلہ ڈاکٹر سید عابد حسین کی ادارت میں مقررہ وقت پر چار سال سے شائع ہو رہا ہے۔ سال رواں (۱۹۷۳ء) اس کی اشاعت کا پانچواں سال ہے۔

اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی کے قیام کا مقصد مذہبی تصورات میں جدید ترعصری رجحانات کی عکاسی، مذہبی مفاہمت کی تبلیغ اور فکر و نظر کی آزادی کو فروغ دینا ہے۔ یہ سوسائٹی ایک مجلہ "اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج" انگریزی میں چھاپ رہی ہے جسے امریکہ، یورپ، ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے بہترین علماء اور مفکرین کا تعاون حاصل ہے۔ دوسرا رسالہ اسلام اور عصر جدید اردو میں ہے جسے ملک کے مشہور اہل فکر اور معتبر اداروں اور صحافت نے پسند فرمایا ہے اس کے مضامین فکری، تحقیقی اور بلند معیار کے ہوتے ہیں۔ اداریوں میں جچی تلی اور بے لاگ رائے کا اظہار کیا جاتا ہے جسے سب دانشور تسلیم کرتے ہیں اور اردو پریس میں کثرت سے نقل کئے جاتے ہیں۔

انگریزی مجلے کی قیمت ۳۰ روپیہ اور اردو کی ۱۵ روپیہ سالانہ ہے لیکن اس سال کے ختم تک توسیع اشاعت کی ایک مہم کے پیش نظر ادارے نے اس رعایت کا اعلان کیا ہے کہ دونوں رسالوں میں سے کسی کی خریداری قبول کرنے والے حضرات سے ایک تہائی قیمت کم لی جائے یعنی انگریزی رسالہ تیس روپیہ کی بجائے بیس روپیہ میں اور اردو مجلہ پندرہ روپیہ کی بجائے دس روپیہ سالانہ میں پیش کیا جائے گا۔

امید ہے کہ سوسائٹی کے مقاصد سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان رسالوں کے حلقہ تعارف کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کریں گے۔ • سرکولیشن منیجر

اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی
جامعہ نگر۔ نئی دہلی

مراسلات

اردو یونیورسٹی

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ راگست میں اردو یونیورسٹی کے بارے میں جناب محمد عدیل عباسی صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے۔ اس مراسلے میں موصوف نے اس کی مخالفت کی ہے کہ جامعہ ملیہ یا علی گڑھ یا موجودہ یونیورسٹیوں میں سے کسی کو اردو یونیورسٹی بنایا جائے۔ میرے خیال میں انھوں نے یہ بات صرف اس لئے لکھی ہے کہ انھیں اردو یونیورسٹی کے مسائل اور اس کی مشکلات کا کماحقہٗ اندازہ نہیں ہے ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ اس تجویز کا خیر مقدم کرتے کہ جامعہ ملیہ کو اردو یونیورسٹی بنا دیا جائے۔

ماہنامہ سیکولر ڈیموکریسی (اردو) نے جولائی میں اردو نمبر نکالا ہے جس میں "اردو یونیورسٹی کیسے اور کہاں قائم ہو؟" کے عنوان سے میرا ایک مضمون شائع ہوا ہے، اگر یہ مضمون موصوف کی نظر سے گزر گیا ہوتا تو شاید وہ مجھ سے اور مجھ جیسے اور بہت سے لوگوں سے اتفاق کر لیتے کہ موجودہ حالات میں اردو کی کوئی نئی یونیورسٹی قائم کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ موصوف نے جامعہ ملیہ کے متعلق جن شبہات اور خیالات کا اظہار کیا ہے، میرے اس مضمون میں ان کا جواب بھی موجود ہے۔

موصوف کو اگر یقین ہو کہ وہ اردو کی کوئی نئی یونیورسٹی قائم کرا سکتے ہیں تو ضرور کرالیں جامعہ ملیہ اس راہ میں بالکل حائل نہیں ہوگی، بلکہ اگر اس کے بانی یا منتظمین جامعہ کے طویل الاوقاتی تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہیں گے تو جامعہ کے اساتذہ اور کارکن دل و جان سے مدد کریں گے۔ جامعہ ملیہ کے ارباب حل و عقد نے مجوزہ یا مطلوبہ اردو یونیورسٹی کے لئے اپنی خدمات صرف اس لئے پیش کی ہیں کہ حکومت اور قوم دونوں کی مشکل آسان ہو جائے۔ عباسی صاحب کو اس کا تو اندازہ ہوگا کہ آجکل ایک اچھی یونیورسٹی کے قیام کے لئے کئی کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی اور روزمرہ کے اخراجات کے لئے بھی، چھوٹی سے چھوٹی یونیورسٹی کے لئے بھی کم از کم تیس، چالیس لاکھ سالانہ کی ضرورت ہوگی، آخر یہ روپے کہاں سے آئیں گے؟ مجھے قطعی امید نہیں ہے کہ حکومت اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی، خصوصاً موجودہ حالات میں جبکہ مرکزی حکومت نے اپنے بجٹ میں چار کروڑ کی کٹوتی کر دی ہے اور ریاستی حکومتوں سے بھی کہا ہے کہ وہ اپنے اخراجات میں کمی کریں۔ اور اگر بہ فرض محال اردو یونیورسٹی قائم بھی ہوگئی تو اساتذہ اور طلبہ کہاں سے آئیں گے؟ اور کتابوں کا انتظام کیونکر ہوگا؟ جامعہ ملیہ ان تمام مراحل سے گزر چکی ہے اور درپیش مسائل اور مشکلات کا کچھ نہ کچھ حل نکال چکی ہے یہاں ۵۳ سال سے اردو میں تعلیم دی جا رہی ہے، ایسے اساتذہ ہیں جو تمام مضامین اردو میں پڑھا سکتے ہیں، ابتدائی سے بی اے تک اردو کے ذریعہ تعلیم دینے کا انتظام ہے، ایک اشاعت گھر بھی ہے جس نے اردو میں بہترین کتابیں شائع کی ہیں، اب بھی شائع کر رہا ہے اور اس میں اس کی پوری صلاحیت ہے کہ ایک یونیورسٹی کی ضرورت بہ احسن پوری کر سکے۔ جامعہ کی دفتری زبان بھی اردو ہے اور تمام مجالس کی کاروائیاں بھی اردو میں ہوتی ہیں۔ یہ ایسی خوبیاں یا سہولتیں ہیں جو کسی نئی یونیورسٹی کو ایک طویل عرصے تک حاصل نہیں ہو سکتیں۔

عباسی صاحب نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ "جس پس منظر میں اس کا (جامعہ ملیہ کا) وجود ظہور میں آیا اور اسلام کی جو چھاپ اس پر ہمیشہ لگی رہی، وہ اس کے اردو یونیورسٹی بنانے میں حارج ہے۔" اس کے بالکل برعکس میرا اپنا خیال ہے کہ چونکہ جامعہ کے بانی جماعتِ گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری جیسے مشہور قوم پرور رہنما ہیں اور عبدالمجید خواجہ اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے مخلص نیشنلسٹ مسلمان اس کے امیر جامعہ اور شیخ الجامعہ رہ چکے ہیں اور موجودہ شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب اور حیاتی رکن اور سابق استاد ڈاکٹر سید عابد حسین کا بھی قوم پرور مسلمانوں اور ماہرین تعلیم میں شمار ہوتا ہے، اس لئے جامعہ پر فرقہ پرستی کا الزام لگانا ممکن نہیں ہوگا اور اردو یونیورسٹی کی حیثیت سے یہ اردو کی بہتر طور پر خدمت کر سکے گی۔

عباسی صاحب نے یہ بھی خیال کیا ہے کہ اگر جامعہ کو اردو یونیورسٹی بنا دیا گیا تو: "۔۔۔۔ اس سے یہی نتیجہ نکلے گا کہ اس کا یا مسلمانوں کا کوئی خاص تعلق اردو سے ہے اور دہاں سے یہ بات ذہنوں میں جم جائے گی کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔" ہم اپنی زبان سے لاکھ انکار کریں کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، مگر تقسیم ملک کے بعد روز بروز یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اردو سے جتنا

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو اعظم گڑھ کے انتخابات

انجمن ترقی اردو شاخ اعظم گڑھ کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی بتاریخ ۲ ستمبر ۱۹۷۳ء کو شبلی اکیڈمی میں منعقد ہوا، مندرجہ ذیل عہدہ داران و ارکان مجلس انتظامیہ کا انتخاب عمل میں آیا:-

۱- شاہ معین الدین احمد ندوی۔ صدر

۲- امین الدین۔ نائب صدر ۳- بدیع الزماں اعظمی۔ سکریٹری

۴- شمیم احمد ایڈوکیٹ۔ جوائنٹ سکریٹری۔ ۵- ایم۔ ایم۔ زبیری پروپگنڈا سکریٹری۔ ۶- ڈاکٹر محمد حنظم۔ خازن

ارکان مجلس انتظامیہ

۱- شوکت سلطان پرنسپل شبلی نیشنل کالج۔ ۲- محمد حسن دانش پرنسپل نیشنل کالج۔ ۳- ڈاکٹر محمد عرفان صدر شعبہ اردو نیشنل کالج۔ ۴- مرزا امتیاز احمد بیگ منیجر شبلی انٹر کالج۔ ۵- حکیم الدین پرنسپل شبلی انٹر کالج۔ ۶- خواجہ تحسین اللہ شمیم ایڈوکیٹ منیجر نسواں انٹر کالج۔ ۷- امجد علی غزنوی منیجر محمد پور انٹر کالج۔ ۸- مجیب اللہ ندوی ناظم جامعۃ الرشاد۔ ۹- پروفیسر محمد مزمل ناظم مدرسۃ الاصلاح۔ ۱۰- قمر الدین ایڈوکیٹ اعظم گڑھ۔ ۱۱- ڈاکٹر یوسف اشفاق مدیر اعظمی ٹائمس۔ ۱۲- محمد حسین قریشی منیجر قریش جونیر ہائی اسکول ۱۳- سہیل نعمانی۔ نعمانی واچ ہاؤس اعظم گڑھ۔ ۱۴- شفاعت احمد ایڈوکیٹ اعظم گڑھ۔ ۱۵- صباح الدین عبدالرحمٰن شریک ناظم دار المصنفین۔ ۱۶- سکریٹری بزم ادب شبلی نیشنل کالج۔

یہ تجویز بھی سامنے آئی اور منظور ہوئی کہ دوران تعلیمی سال کسی مناسب وقت پر محترمہ سلطانہ حیات صاحبہ اور صباح الدین عمر صاحب سکریٹری اردو اکیڈمی کو اعظم گڑھ آنے کی دعوت دی جائے تاکہ اردو میڈیم سے تعلیم دلانے کا مسئلہ آسان ہو جائے۔

• بدیع الزماں اعظمی

انجمن ترقی اردو شاخ بھیمڑی کی تشکیل نو

"مومن لائبریری" بنگال پورہ میں ایک مشاورتی میٹنگ انجمن ترقی اردو کی ازسرنو تشکیل کے سلسلہ میں منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب۔ عبد اللہ بانی صاحب، محمد صدیق جان محمد صاحب۔ شاکر ادیبی۔ مشتاق احمد مومن۔ زیڈ عابد۔ نثار احمد نثار۔ مختار اطہری۔ محمد عمر شفق۔ مولانا ابوظفر حسان ندوی۔ عبدالوہاب ہانی۔ ظہور ایوبی۔ عبدالقیوم نازاں اور احمد علی انصاری۔

صدارت کے فرائض جناب سکندر انصاری نے انجام دیئے۔ محمد عمر شفق نے میٹنگ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے انجمن ترقی اردو "ہمبیئی" کی جانب سے آیا ہوا خط حاضرین کے روبرو پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب نے اردو زبان کے مسائل اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انجمن کی شاخ ازسرنو قائم کرنے کی تجویز پیش کی جس کی تائید جناب عبد اللہ بانی نے کی چنانچہ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

محمد عمر شفق، ڈاکٹر ظفر الاسلام، عبد اللہ بانی، محمد صدیق جان محمد، شاکر ادیبی، مشتاق احمد مومن، زیڈ عابد، نثار احمد الہ آبادی، مختار اطہری۔ کنوینر کی حیثیت سے محمد عمر شفق کا انتخاب عمل میں آیا۔ آخر میں جناب صدر نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میٹنگ کے اختتام کا اعلان فرمایا۔

• محمد عمر شفق، کنوینر

مراد آباد میں اردو اساتذہ کی فوری تقرری کا مطالبہ

سنبھل:- انجمن ترقی اردو سنبھل کے جنرل سکریٹری جناب سعادت صدیقی نے ایک اخباری بیان میں ریاستی حکومت اور گورنر سے پر زور مطالبہ کیا ہے کہ ضلع مراد آباد میں مجوزہ اردو اساتذہ کا تقرر بلا تاخیر کیا جائے۔

انھوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا ہے مگر ابھی تک اردو کے ٹیچرز کا تقرر عمل میں نہیں آیا ہے، خصوصاً مراد آباد میں نہ تو باقاعدہ انٹرویو ہوا ہے اور نہ ہی ٹیچرز کی تقرری کی گئی ہے۔

• الجمعیۃ۔ دہلی

اخبار ورسائل سے تراشے

فروغ اردو کمیٹی سے اردو کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کرنے کا مطالبہ

نئی دہلی :- پارلیمنٹ کی ممبران کی اردو کمیٹی کے ایک وفد نے آج فروغ اردو کمیٹی سے مطالبہ کیا کہ اردو زبان کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے اور گجرال اردو کمیٹی اس مقصد کے لئے اپنی رپورٹ میں جرأت مندی کے ساتھ سفارش کرے۔ کمیٹی کے صدر جناب آنند نرائن ملا نے جناب آئی کے گجرال اردو کمیٹی کے دوسرے ممبروں کے سامنے ایک قانونی نکتہ پیش کیا انھوں نے کہا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ اردو کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کے لئے قانونی گنجائش نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ قانونی پہلو اور قانونی گنجائش پیدا کی جاتی ہے پہلے سے نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حکومت آئین میں ایک ترمیم بھی نہ کر پاتی۔

جناب آنند نرائن ملا نے جو انجمن ترقی اردو کے صدر بھی ہیں زور دے کر کہا کہ کمیٹی کا کام سفارشات پیش کرنا ہے قانونی پہلو کس طرح پیدا کیا جائے یہ کام ڈپارٹمنٹ کا ہے وہ اسے کرے گا۔ کمیٹی کو اپنے طور پر اس عذر کا سہارا نہیں لینا چاہئے۔ آپ نے مطالبہ کیا کہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں اردو کی سرکاری حیثیت کو تسلیم کرکے اس کے ساتھ کی گئی ۲۶ سالہ بے انصافی کو ختم کیا جانا چاہئے۔

جناب ملا نے کہا کہ ایک کلچر کا قول ہونے کے باوجود اردو ہندوستان کی پانچویں بڑی زبان ہے۔ چھوٹی چھوٹی زبانوں کو علاقائی درجہ دیا گیا ہے۔ اردو کو جو اتنی بڑی زبان ہے اس حق سے محروم رکھنا ایک کھلی بے انصافی ہے کمیٹی کا فرض ہے کہ وہ اس بے انصافی کو دور کرائے۔ مولانا اسحاق سنبھلی نے پارلیمنٹری اردو کمیٹی کی تجاویز سے کمیٹی کو آگاہ کیا اور کہا کہ خواہ اردو کو کتنی ہی رعائتیں اور سہولتیں ملا جائیں اگر اس کی سرکاری حیثیت نہیں ہے تو وہ سب بے کار ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق افسروں کی مرضی سے ہے۔

آپ نے بتایا کہ پارلیمنٹری اردو کمیٹی کی رائے میں جن ریاستوں میں پانچ فی صدی اردو بولنے والے نہیں ہیں، وہاں ان ریاستوں کو یونٹ مان کر اردو کو سرکاری حیثیت دی جائے اور علاقائی یا دوسری زبان کا درجہ دیا جائے۔ جہاں پوری ریاست میں پانچ فی صدی اردو آبادی نہ ہو وہاں شہر کو یونٹ مان کر اردو کو سرکاری حیثیت دی جائے۔ دوئم یہ کہ اگر کسی ریاست میں ایک شخص بھی اردو بولنے والا ہے تو اس کو مادری زبان کی سہولت سے محروم نہ کیا جائے۔

جناب ست پال کپور نے کہا کہ اردو کے ساتھ ناانصافی کو ختم کرنے کا تعلق جرأت سے ہے۔ ہماچل میں جہاں اردو آبادی کا اوسط سب سے کم ہے وہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ جناب پرمار نے اس کی جرأت کی ہے۔ فروغ اردو کمیٹی کو بھی اس سلسلہ میں جرأت کرنی چاہئے۔ جن ممبروں نے آج فروغ اردو کمیٹی کے چیئرمین اور ممبروں سے ملاقاتیں دیں ان میں جناب آنند نرائن جناب ست پال کپور، جناب محمد عثمان عارف، بیگم عزیزہ امام، جناب رگھو نندن بھاٹیہ، ڈاکٹر گنگا پرشاد، جناب ایس۔ ایم بنرجی، جناب صالح بھائی، عبد القادر، جناب ساوتری شیام اور مولانا اسحاق سنبھلی شامل ہیں۔

• الجمعیۃ دہلی

پارلیمانی اردو کمیٹی کی مجلس عاملہ کا انتخاب

نئی دہلی :- ممبران پارلیمنٹ کی اردو کمیٹی نے جس کے ممبران کی تعداد ۱۰۵ ہے آج ایگزیکٹیو کمیٹی کا انتخاب کیا۔ ایگزیکٹیو میں جن ممبران کا انتخاب عمل میں آیا ان میں مولانا اسعد مدنی صاحب، جناب صالح بھائی عبد القادر، جناب رگھو نندن بھاٹیہ، سانی لکشمی دیوی وغیرہ شامل ہیں۔ کمیٹی

کی میٹنگ میں کہا گیا کہ اردو کمیٹی کا ایک وفد لکھنؤ میں ہونے والی غیر مسلم ادیبوں کی کانفرنس میں شرکت کرے۔ کمیٹی نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ اس کانفرنس کو کامیاب بنائیں۔

• الجمعیۃ، دہلی

مڈل اسکولوں کے لئے اردو کی کتابوں کا اجراء

نئی دہلی:- یہاں مڈل اسکولوں کے لئے اردو کی چھ کتابوں کا سیٹ جاری کیا گیا۔ یہ کتابیں ریاضی اور ادبیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور انھیں فروغ اردو بیورو نے شائع کیا ہے۔ اس سال کے آخر تک پچاس اور کتابیں شائع کی جائیں گی۔ میٹروپولیٹن کونسل کے چیرمین میر مشتاق صاحب نے ان کتابوں کو جاری کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان عوام کی زبان ہے اور سب لوگوں کو اس کی ترقی اور نشو ونما کے لئے کام کرنا چاہئے۔ آپ نے سائنسی، سماجی علوم اور ادبی مضامین کی بچوں کے لئے کتابیں شائع کرنے پر حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

• الجمعیۃ۔ دہلی

الہ آباد یونی ورسٹی میں اردو کی سہولتوں کا وعدہ

الہ آباد:- شری سنت ویاس جنرل سکریٹری ضلع کانگریس کمیٹی الہ آباد نے ایک بیان میں کہا ہے کہ شری ایچ این بہوگنا مرکزی وزیر مواصلات نے الہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر شری رام سہائے سے مل کر اس بات پر زور دیا ہے کہ یونیورسٹی میں لڑکوں کو اردو پڑھنے کا موقع دیا جائے شری بہوگنا نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ یونیورسٹی میں اردو پڑھنے والے لڑکوں کے لئے بی۔اے میں سبجیکٹ پڑھائے جائیں کیونکہ الہ آباد کے ڈگری کالجوں میں کہیں بھی فی الحال کوئی انتظام نہیں ہے۔

وائس چانسلر شری رام سہائے نے شری ایچ این بہوگنا کو اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اردو پڑھنے والے لڑکوں کے لئے الہ آباد یونیورسٹی میں پورا انتظام کریں گے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے سے الگ کرنے کا مطالبہ

لکھنؤ:- یہاں اقلیتی ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ ایسوسی ایشن یوپی کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب حشمت حسین عثمانی ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن یوپی ہوا جس میں ریاست کے مختلف اضلاع سے آئے ہوئے اقلیتی تعلیمی اداروں کے منیجر، پرنسپل اور اساتذہ کے نمائندوں کے علاوہ سکھوں، عیسائیوں کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔

ایک تجویز کے ذریعہ تعلیمی اداروں کے قومیانے کے منصوبے پر اظہار تشویش کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اقلیتی تعلیمی اداروں کو اس منصوبے سے مستثنیٰ کرے۔ ایک دوسری قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا کہ سہ لسانی فارمولا میں سنسکرت کو شامل نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس سے اقلیتی زبانوں کے ذریعہ تعلیم اور امتحانات میں جو عملی رکاوٹیں پیش آرہی ہیں ان کا حل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ نہ دیا جائے۔ مختلف اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کے درمیان رابطہ قائم کرنے کے لئے حسب ذیل افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔

سردار صاحب کرم جیت سنگھ سنگار (والا لکھنؤ) صدر، ریاض الدین احمد سابق پرنسپل لال باغ گرلز کالج (لکھنؤ)، مقبول الٰہی صاحب اور انتظار حسین اسلامیہ کالج (لکھنؤ)

• قومی آواز۔ لکھنؤ

اردو ایڈیٹرس کانفرنس کی تیاریاں

دہلی:- آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کے رکن جناب سلامت علی مہدی نے یہاں اپنے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ اردو ایڈیٹرس کانفرنس کا جو اجلاس ۱۷ر نومبر سے ۱۹ر نومبر تک لکھنؤ میں ہونے جارہا ہے اس کا افتتاح وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کریں گی اور اس موقع پر قدیم اردو اخبارات کی جو نمائش ہوگی اس کا افتتاح وزیر مواصلات جناب ہیم وتی نندن بہوگنا کریں گے۔ وزیر اطلاعات جناب گجرال بھی اس اجلاس میں شریک ہوں گے۔ ۱۸ر نومبر کو ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی ہوگا جس کا افتتاح گورنر یوپی جناب اکبر علی خاں کریں گے۔ کانفرنس کی صدارت بزرگ صحافی مولانا محمد عثمان فارقلیط فرمائیں گے اور مولانا عبد الماجد دریابادی صاحب ایک خصوصی نشست کو خطاب کریں گے۔ اس کا امکان ہے کہ پورے ملک کے مدیران اردو جرائد اس میں شرکت کریں گے۔

• دعوت، دہلی

صفحہ ۱۲ سے آگے

وہ اپنے دھرم سے قریب ہو گئے۔ اسی طرح عام مسلمان اردو کی بات کو اسلام سے ملا دیتے ہیں۔ گاندھی جی نے کچھ سوچ کر کہا کہ یہ بات تو مجھ میں بھی ہے مگر سندر لال میں اسے نکال دوں گا اور مذہب کو زبان سے نہیں ملاؤں گا ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ گاندھی جی کے اس ارشاد کو ذہن میں رکھے اور زبان کے مسئلے پر قومی اور تہذیبی نقطۂ نظر سے غور کرے۔ گاندھی جی کی ایک اور بات میں یہاں یاد دلانا چاہتا ہوں جس کی تصدیق مہندر راجوشی اور جانب تیاگی دونوں کر سکتے ہیں۔ جب ۱۹۴۷ء میں دلی میں فسادات ہو رہے تھے تو کچھ کانگریسی گاندھی جی کے پاس پہنچے اور اس بات پر بڑا دکھ ظاہر کیا کہ دلی میں مسلمان مارے جا رہے ہیں گاندھی جی نے ان سے پوچھا کہ تم میں سے کتنے مارے گئے؟ گاندھی جی کا مطلب یہ تھا کہ زبانی ہمدردی کافی نہیں اصول کے لئے جان قربان کر دینی چاہئے۔ افسوس ہے کہ گاندھی جی کا نام لینے والوں اور اس نام سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانے والوں میں گاندھی جی کی سی اصول پرستی اور حق اور انصاف کے لئے بلکہ مظلوم کی حمایت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کا جذبہ کہیں نظر نہیں آتا۔ ہمارا ملک چاہے کتنی ترقی کر جائے لیکن جب تک اخلاقی اعتبار سے وہ بلند نہیں ہوگا جب تک اس کے رہنماؤں میں حق گوئی اور بیباکی نہیں آئے گی اس وقت تک اس کی ترقی صرف دکھاوے کی ہوگی حقیقی نہ ہوگی۔

میں ان لوگوں میں سے ہوں جو شروع سے اس خیال کے حامی ہیں کہ ملک کی تقسیم غلط ہوئی۔ اس نے کوئی مسئلہ حل نہیں کیا اور بہت سے مسئلے پیدا کر دیئے لیکن ایک بات میں صفائی سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک کی اکثریت میں یہ خیال عام ہے کہ تقسیم مسلم لیگ نے کرائی اور چونکہ تقسیم نہیں ہونی چاہئے تھی اس لئے مسلم لیگ تنہا تقسیم کی ذمہ دار ہے حالانکہ تقسیم پر کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کانگریس نے مجبوراً اسے تسلیم کیا کیونکہ اس کے بغیر اس وقت ملک شاید آزاد نہ ہو پاتا۔ بہر حال ملک تقسیم ہو گیا اب تقسیم پر رونا بھی غلط ہے۔ ہاں اس کی کوشش برابر کرنی چاہئے کہ ہندوستان اور پاکستان اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اور اگر ہو سکے تو بالآخر ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان کا ایک کونفیڈریشن (CONFADERATON) بن جائے۔ مگر اس کے لئے تینوں ملکوں کی رضامندی ضروری ہوگی یہ کسی پر لادی نہیں جا سکتی۔ ہندوستان کے اعصاب پر پاکستان سوار نہیں ہونا چاہئے۔ ملک کے مفاد کی روشنی میں پاکستان سے تعلقات رکھنے چاہئیں پاکستان کچھ کرے ہندوستان کے جو اصول ہیں ان پر قائم رہنا چاہئے۔ بقول اکبر ؎

لو وضع پہ اپنی قائم رہ، فطرت کی جگہ تغیر نہ کر
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر

شکریہ سوویت لینڈ ڈیموکریسی (باقی آئندہ)

اردو کے ایک نامور ادیب جناب سجاد ظہیر کا اچانک انتقال

اردو دنیا میں یہ خبر بڑے رنج و الم کا باعث ہوگی کہ اردو کے ایک نامور ادیب اور ترقی پسند تحریک کے بانی کمیونسٹ لیڈر جناب سید سجاد ظہیر کا روس کی ایک ریاست قزاقستان کی راجدھانی الما آتا میں حرکت قلب بند ہو جانے سے ۱۳ ستمبر کو انتقال ہو گیا۔ مرحوم وہاں افریقی ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ گزشتہ ہفتہ وہ قلبی دورے میں مبتلا ہوئے اور ایک ہفتہ کی بہترین طبی امداد کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔

مرحوم بہت سی ادبی انجمنوں کے سرگرم رکن تھے اور عرصے سے انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عام و ادبی کمیٹی کے رکن چلے آ رہے تھے۔ جہاں اردو دنیا میں مرحوم کے انتقال پر ملال سے ایک خلا پیدا ہوا ہے وہاں انجمن کو بھی ان کی دائمی جدائی سے ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ادارہ اس سانحہ عظیم پر دلی رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے اور مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ)

صفحہ ۲ سے آگے

تک تیسرے درجے میں سفر کرے اور لوگوں کی بات چیت سنے تو وہ جس زبان کو کسی نہ کسی روپ میں ہر جگہ سنے گا وہ اردو ہوگی۔ اردو اور ہندی ہی صرف دو ایسی زبانیں ہیں جو کل ہند زبانیں کہی جا سکتی ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے ہر موڑ پر اردو کا رول نمایاں رہا ہے۔ انقلاب زندہ باد سے لے کر آرام حرام ہے اور غریبی ہٹاؤ تک ملک کو جو بھی ولولہ انگیز نعرے دیے گئے ہیں وہ اردو کی دین ہیں۔ یوں تو ہندوستان کی سبھی جدید زبانوں کا ادب شاندار ہے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ فلاں زبان کا ادب دوسرے ادب سے زیادہ بلندی یا گہرائی رکھتا ہے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اردو کے غالب اور اقبال اور پریم چند کو دنیا جانتی ہے اور اردو کے میر، نظیر، انیس سے بھی ناواقف نہیں۔ اردو میں اعلیٰ تعلیم کا تجربہ عثمانیہ یونیورسٹی میں کامیابی سے کیا جا چکا ہے اور انجمن ترقی اردو ہند اور دوسرے اداروں نے عالمی کلاسیکی کو اردو کے قالب میں بھی پیش کر دیا ہے۔ افلاطون کی ریاست، ارسطو کی بوطیقا، کانٹ کی تنقید عقل محض، شیکسپیر کے بہت سے شاہکار، گوئٹے کا فاؤسٹ، روسو کا معاہدۂ عمرانی فرانسیسی، جرمن، روسی، عربی، فارسی، سنسکرت کے بہت سے شاہکار جس زبان میں منتقل ہو چکے ہوں فوجداری اور دیوانی کے قوانین جس زبان میں موجود ہوں، عدالتوں اور دفاتر کے پرانے ریکارڈ اور زمین اور جائداد کے کاغذات جس زبان میں برسوں رکھے گئے ہوں، اس کے ساتھ بے انصافی ہندوستانی قومیت اور اس کی تاریخ اور جمہوریت اور سیکولرازم کے ساتھ بے انصافی ہے جس کو دور کیے بغیر ملک میں سچی جمہوریت کو فروغ نہیں ہو سکتا۔

آخر اب تک اس زبان کے ساتھ بے انصافی کیوں ہوتی رہی ہے اور اس کی بقا اور ترقی کے راستے میں پہاڑ کیوں جوں کے توں کھڑے ہیں۔ غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ تقسیم اور اس کے بعد کی سیاست کی شکار ہو گئی ہے۔ مسلم لیگ نے جب تقسیم کا مطالبہ کیا تو اردو کو بھی اپنے سیاسی مقصد کے لیے استعمال کیا لیکن اس مطالبے کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اردو کو بدیسی، غیر یا تقسیم کی ذمہ دار سمجھ لیا تو یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے۔ سیاست میں آئے دن ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ملک کی آبادی کا خاصا حصہ اس پروپگنڈے سے متاثر ہوا اور تقسیم کے خلاف جو برہمی تھی اس کی شکار اردو بھی ہوئی۔ چنانچہ آزادی کے کچھ عرصہ بعد تک اردو کو پاکستان کی زبان کہہ کر اپنے گھر میں اس کے حقوق کو پامال کیا جاتا رہا۔ انجمن ترقی اردو ہند اور دوسرے قومی ادارے اور قومی کارکن برابر اس زیادتی کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے۔ یہ اب کم ہوئی ہے اور جن سنگھ کے لیڈر بھی اب کہیں کہیں زبان سے کہنے لگے ہیں کہ اردو ہندوستانی زبان ہے اور ہم اس کی ترقی چاہتے ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو ابھی اچھی سیکولر پارٹیوں کے عام ممبروں کے دل میں کہیں یہ خیال گھسا ہوا ہے کہ اردو کو اس کا حق دے دیا گیا اور اس کے سلسلے میں دستور میں جن تحفظات کی گنجائش ہے ان پر عمل کیا گیا تو علیحدگی پسندی کو ہوا ملے گی۔ اور تو اور ہمارے وہ سیاسی رہنما جنھوں نے ہندوستان میں جمہوریت اور سیکولرازم کی بنیادوں کو مضبوط کیا ہے اور جو نہ صرف اردو کو ہندوستان کی ایک دولت سمجھتے اور اس پر فخر کرتے ہیں بلکہ اسے اپنی زبان بھی کہتے ہیں، اردو کے سلسلے میں وہ صاف ستھرا اور فیصلہ کن عمل نہیں دکھا سکے جس کی ان سے توقع تھی۔ یہاں مجھے گاندھی جی یاد آتے ہیں جن کو ہندوستان نے بالکل بھلا دیا ہے۔ پنڈت سندر لال نے مجھ سے بیان کیا کہ گاندھی جی سے اور ان سے اردو ہندی کے مسئلے پر بات چیت ہو رہی تھی۔ گاندھی جی نے پوچھا کہ کچھ ہندو اردو کی کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ پنڈت سندر لال نے جواب دیا کہ عام ہندو جب ہندی کے حق میں سوچتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ

باقی صفحہ ۱۱ کالم ۲ پر

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا